© rasailojaraid.com



# تزکیۂ نفس

## بیماریوں کا علاج

(مولانا امین احسن اصلاحی)

پچھلی دو فصلوں[1] میں ہم نے ان بیماریوں کی نشان دہی کی ہے جو علم و معرفت کے لیے مہلک ہیں۔ یہ بیماریاں یوں تو بہت سی ہو سکتی ہیں لیکن ہم نے صرف دس ایسی بیماریوں کا پتہ دیا ہے جو جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں سے ایک ایک کے اندر سے صدہا روحانی و اخلاقی بیماریوں کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ ان میں سے چار بیماریاں تو جیسا کہ ہم نے بتایا ہے، ایسی ہیں جو اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو اس کے اندر حق طلبی اور حق شناسی کا داعیہ ہی سرے سے مردہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے حالات پر ایسا قانع، اپنے علم پر ایسا مطمئن اور اپنے ماحول میں ایسا مست یا غافل ہوتا ہے کہ نہ تو خود اس کے اپنے اندر سے کسی قسم کی طلب یا پیاس ابھرتی ہے اور نہ کسی کے توجہ دلانے ہی پر اس کے اندر کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے، بلکہ بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کا کوئی ہمدرد و خیر خواہ اس کی بے حسی یا بے راہ روی پر ٹوک دے تو وہ اس کی اس ہمدردی کی قدر کرنے کے بجائے اُلٹا اس کے سر ہو جایا کرتا ہے کہ اس نے اس کو کیوں ٹوکا؟ وہ اپنے آپ کو مریض سمجھنے میں اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ اس کو اس تصور سے بھی غصہ آتا ہے کہ کوئی شخص خود اس کے اندر بھی کسی مرض کی نشان دہی کر سکتا ہے یا اس کا علاج کر سکتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو نہ صرف تندرست و توانا خیال کرتا ہے بلکہ بعض حالات میں وہ دوسروں کا معالج اور طبیب بھی بنا بیٹھا ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح گوارا کرے کہ دوسرے آکر اس کے پندار صداقت کو مجروح کریں اور وہ ان کے مشورے قبول کر کے دوسروں کی نظروں سے اپنے آپ کو

[1] یہ دونوں فصلیں ترجمان القرآن جلد ۳۴ عدد ۲ اور جلد ۳۴ عدد ۳ میں بالترتیب "حجابات علم" اور "آفات علم" کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ فصل اسی بحث کی تکمیل کرتی ہے جو مذکورہ دونوں فصلوں میں گزر چکی ہے اس وجہ سے مناسب ہوگا اگر اس کو پڑھتے وقت ان فصلوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ (امین احسن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرلئے اور اپنی بھی جمائی دکان ختم کر دے۔

اسی طرح ہم نے بتایا ہے کہ ان میں سے چھ بیماریاں ایسی ہیں جو اگر کسی صاحب علم و معرفت کو لگ جائیں تو اس کی تمام حاصل کردہ دولت معرفت برباد ہو جایا کرتی ہے۔ علم و ایمان کا جو ذخیرہ اس نے جمع کیا ہوا ہوتا ہے وہ بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ تربیت اخلاق اور تزکیۂ نفس کے جو مراحل وہ طے کر چکا ہوتا ہے وہ سارے کے سارے ناطے کردہ بن کے رہ جاتے ہیں۔ وہ یہاں سے اس راہ میں چلا ہوتا ہے وہیں پھر پلٹ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس سے بھی پیچھے پھینک دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے توفیق خیر کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بقول نہ صرف اتنے ہی سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اسے بخشا گیا تھا بلکہ وہ بھی اس سے چھین لیا جاتا ہے جو اس کے اپنے پاس موجود ہوتا ہے۔

ہماری جسمانی بیماریوں میں جو اہمیت دق اور سل، کوڑھ اور جذام وغیرہ کو حاصل ہے ان سے زیادہ اہمیت ہماری روحانی و اخلاقی بیماریوں میں ان امراض کو حاصل ہے اس وجہ سے ہم صرف ان کے بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنے علم کی حد تک کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے پیدا ہونے کے اسباب اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر بھی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

علاج کے بیان میں بعض مصالح کی بنا پر ہم ترتیب اس سے بالکل مختلف اختیار کریں گے جو ہم نے امراض کے بیان میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم اس مرض کا علاج بیان کریں گے جس کا ذکر ہم نے سب سے آخر میں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جس کی اصلاح کی سب سے زیادہ توقع ہو سکتی ہے وہ زیادہ تر اسی بیماری کا شکار ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو اللہ کے بندے شیر اور ہاتھی پر کمند ڈال سکتے تھے ان کا سارا وقت شکار مگس میں برباد ہو رہا ہے۔

**اشتغال بالادنیٰ کے اسباب اور اس کے ازالہ کی تدابیر**

اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ اور شریف کو نظر انداز کر کے کسی حقیر و ذلیل کام کو انسان بس یونہی نہیں اختیار کر لیتا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے پست اور رذیل نہیں بنایا گیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ پستیوں ہی کی طرف جھکے اور گھٹیا باتوں ہی کو پسند کرے۔ اپنی فطرت کے لحاظ سے تو وہ حق طلب، خیر پسند اور اعلیٰ اقدار کا قدر دان پیدا کیا گیا ہے لیکن کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جن کی وجہ سے وہ بسا اوقات اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خوب کو نظر انداز کر کے ناخوب کو اختیار کر لیتا ہے اور پھر اسی کے پیچھے اپنی بیش قیمت زندگی گنوا بیٹھتا ہے۔ ہم یہاں ان اسباب کا کھوج لگائیں گے اور جہاں جہاں ضرورت ہو گی ان کے دفع کرنے کی تدابیر کی طرف بھی اشارے کرتے جائیں گے۔

(۱) اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے اختیار کرنے کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ عموماً لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ انہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ میں اصلی دولت وقت ہی ہے، جس نے وقت کو ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔ قدرت نے انسان کے ہر لمحۂ زندگی کے ساتھ ایک اہم فرض باندھ رکھا ہے جس کی ادائیگی ہی میں اس کی زندگی کی ساری عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں بھی اس فرض کو پہچاننے یا ادا کرنے میں کوتاہی کر جائے جو اس لمحہ کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر اس فرض کا وقت زندگی میں کبھی بھی نہیں آتا، کیونکہ اس کے بعد اس کو زندگی کے جو لمحات بھی میسر ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس وجہ سے جو فرض رہ گیا وہ گویا ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔ اگر اس کو اس کے اصلی وقت کے بعد پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اسی کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ بھاری دوسرے کسی فرض کو اس کی خاطر نظر انداز کیا جائے۔ جس نے یہ کہا ہے کہ

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اس نے محض ایک شاعرانہ خیال ہی نہیں ظاہر کیا ہے بلکہ زندگی کی ایک نہایت اہم حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

وقت ایک گراں مایہ دولت ہے اور اس دولت کی فطرت یہ ہے کہ یہ رکھ چھوڑنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ برف کے تودے کی طرح ہر وقت پگھلتی رہتی ہے، اگر انسان اس سے پوری مستعدی کے ساتھ فائدہ نہ اٹھائے تو یہ بہت جلد پانی کی روانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے اور انسان اپنی غفلت اور بدبختی پر ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ پھر اس کی یہ بھی فطرت ہے کہ یہ ایک شمشیر دو دم ہے جس کی کاٹ دو طرفہ ہے۔ اگر آپ اس کو اپنے حق میں استعمال نہ کر سکے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ کے خلاف استعمال ہوا۔ اگر اس کے ایک ایک لمحہ کے بدلہ میں آپ نے اجر نہیں کمایا تو صرف یہی خسارہ نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے سرمایہ سے فائدہ نہیں اٹھایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اس کا اصلی درد انگیز پہلو یہ ہے کہ ضائع شدہ زندگی کا ایک ایک پل آپ کے لیے وبال بنا۔ یہ رائگاں جانے والی زندگی صرف رائگاں ہی نہیں جاتی بلکہ انسان پر ایک ابدی لعنت بن کر مسلط ہو جاتی ہے۔ سورہ والعصر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ سورہ وہ سورہ ہے جس کی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر قرآن میں سے کچھ اور نہ اترتا، صرف یہی سورہ اترتی تو ہمارے لیے کافی تھی۔ فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ | زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو |
| اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ | ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیے اور ایک دوسرے |
| وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ | کو حق اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہے۔ |

یہ سورہ جہاں اوپر کے حقائق کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہیں ایک اور باریک نکتہ کی طرف بھی اس سے رہنمائی مل رہی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے اس خسارہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اور اس کے مصرف دونوں کی قیمتوں میں موازنہ نہیں کر پاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اشرفیاں لوٹاتا ہے اور کوئلوں پر مہر کرتا ہے، جواہرات دیتا ہے اور سنگریزے خریدتا ہے، کانٹوں کو چنتا ہے اور پھولوں کو پھینکتا ہے۔

اگر ایک انسان کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور خود اس کو اور اس کے بچوں کو فاقہ درپیش ہو تو وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔ اگر ایک مسافر کے پاس پانی کی ایک ہی چھاگل ہو اور اس کو صحرا کا سفر درپیش ہو تو وہ اس پانی کو پاؤں دھونے پر کبھی ضائع نہیں کریگا بلکہ اس کا ایک ایک قطرہ اپنی زندگی بچانے کے لیے محفوظ رکھنے کی کوشش کریگا۔ اگر کسی کے ترکش میں ایک ہی تیر ہو اور راستہ میں اسے شیر یا بھیڑیئے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ یہ حماقت کبھی نہیں کر سکتا کہ وہ اس ایک ہی تیر کو گیدڑوں اور لومڑیوں کے شکار پر ضائع کر دے بلکہ وہ اس کو اصل خطرہ کی مدافعت کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی انسان جو اپنی ایک روٹی، اپنے ایک چھاگل پانی اور اپنے ترکش کے ایک تیر کے مصرف کو متعین کرنے میں اتنا محتاط ہے جب اس کے سامنے خود اپنی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


جیسی بیش قیمت چیز کے مصرف کے متعین کرنے کا سوال آتا ہے تو وہ بالکل ہی نادان بن جاتا ہے ظاہر ہے کہ ہمارے حصہ میں ایک ہی زندگی آئی ہے، کئی زندگیاں نہیں آئی ہیں۔ اسی زندگی کے بدلے میں ہم یا تو ابدی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں یا ابدی خسران۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ابدی کامیابی حاصل کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چیز محض خواہش کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے انسان کو قدم قدم پر مہمات سر کرنی پڑتی ہیں اور زندگی کے ہر موڑ پر معرکے جیتنے ہوتے ہیں۔ بغیر ان معرکوں کے جیتنے اور ان مہمات کو سر کیے انسان ابدی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا لیکن اس واضح حقیقت کے باوجود دنیا میں اکثریت انہی لوگوں کی ہے جو اپنی زندگیاں نہایت حقیر مقاصد پر ضائع کرتے ہیں۔ اس کی وجہ، جیسا کہ بیان ہوئی، یہی ہے کہ انہیں اس زندگی اور اس مدتِ حیات کی حقیقی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے جو ان کے حصہ میں آئی ہے۔ نہ وہ اس کی سیال فطرت سے واقف ہیں، نہ اس کی دو طرفہ کاٹ کو جانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ خود تو اگرچہ عارضی اور فانی ہے لیکن وہ ایک ابدی اور لازوال زندگی کی قیمت بن سکتی ہے بشرطیکہ انسان اس کو حقیر مشغلوں میں ضائع کرنے کے بجائے اسی مصرف میں صرف کرے جس پر اس کو صرف ہونا چاہیے۔

(۲) اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف مائل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اس درجہ اور مرتبہ سے غافل ہو جاتا ہے جو قدرت نے اس کو بخشا ہے۔ انسان اس تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد اور موضوع ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں اس کے لیے بنائی گئی ہیں لیکن وہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں بنایا گیا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے لیے مسخر کی گئی ہے لیکن وہ کسی کے لیے بھی مسخر نہیں کیا گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو استعمال کرتا ہے اور کر سکتا ہے لیکن اس دنیا میں کسی کا بھی یہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے کہ خود اس کو استعمال کر سکے۔ سب کے لیے فنا ہے لیکن انسان فنا ہو کر بھی باقی رہنے والا ہے۔ اس کی صلاحیتیں اور قابلیتیں غیر محدود ہیں اور اس کے درجہ کی بلندی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے اور وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کر سکے تو دوسری مخلوقات تو درکنار فرشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ زمین میں خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خدا کے سوا کوئی بھی اس سے بڑا نہیں ہے۔ یہ مرتبہ ایک ایسا اونچا مرتبہ ہے کہ اس سے زیادہ اونچے مرتبہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خدا نے اس مرتبہ کا انسان کے اندر شعور بھی ودیعت کیا ہے اور اس مرتبہ کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے اس کو قوتیں اور قابلیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگرچہ اپنے اس شعور کو زندہ رکھنا یا نہ رکھنا اور ان قوتوں اور قابلیتوں کو استعمال کرنا یا نہ کرنا خود اس کی اپنی آزادی رائے اور اپنی پسند یا ناپسند پر منحصر ہے۔ اور یہ اختیار و آزادی بھی غور کیجیے تو اس کے عزت و شرف ہی کا ایک پہلو ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنی مخلوقات میں سے انسان ہی کو اس شرف سے نوازا ہے کہ وہ اپنی راہ اور منزل خود انتخاب کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنے اس انتخاب میں اپنے منصب اور مرتبہ کا لحاظ رکھتا ہے تو جس فطرت شاہینی کے ساتھ خدا نے اس کو پیدا کیا ہے وہ ظہور میں آتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے مرتبہ اور مقام کو بھول جائے تو پھر وہ شاہین ہو کر کنجشکِ فرومایہ اور شیر ہو کر گربۂ مسکین کی فطرت اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف سورۂ والتین میں اشارہ فرمایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اس کو اسفل سافلین کی طرف لوٹا دیا، مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنھوں نے ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کی۔

اس احساس شرف سے محروم ہو جانے کے بعد انسان جس طرح گرتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی حقیر و ذلیل خواہشوں کے جس طرح حوالہ کر دیتا ہے اور پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر وہ جس درجہ ذلیل و خوار ہوتا ہے اس کی پوری تصویر قرآن مجید نے اعراف کی اس آیت میں کھینچ کے رکھ دی ہے۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ

ان لوگوں کو اس شخص کی سرگذشت سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتوں سے نوازا تو اس نے یہ خلعت اتار پھینکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان اس کے درپے ہو گیا اور وہ گمراہوں میں سے بن گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کے ذریعہ سے اٹھاتے لیکن وہ پستی ہی کی طرف مائل اور اپنی خواہشوں ہی کے

© rasailojaraid.com

پیچھے پڑا رہا۔ تو اس کی مثال کتے کی ہو گئی کہ اگر اس کو دھتکار اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔
جب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر اس کے حال پر چھوڑ
دو جب بھی زبان نکالے ہی رہتا ہے۔

(۳) اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جتنے کام بھی اعلیٰ و اشرف ہیں وہ مشقت طلب، صبر آزما اور عموماً کڑوے کسیلے ہیں۔ ان کو انجام دینے کے لیے انسان کو ایک چڑھائی سی چڑھنی پڑتی ہے۔ برعکس اس کے گھٹیا قسم کے جو کام ہوتے ہیں وہ نہایت سہل، بے مشقت، اور نفسانی تقاضوں کو فوری تسکین بہم پہنچانے والے ہوتے ہیں، ان کے لیے انسان کو کوئی چڑھائی چڑھنے کے بجائے صرف نیچے کی طرف لڑھک جانا ہوتا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نماز اور تلاوت کے مقابلہ میں گپ شپ کرنا، مطالعہ کرنے کے بجائے سو رہنا، فلسفہ پڑھنے کے بجائے ناول اور افسانے پڑھنا، ضبط نفس اور تربیت و تزکیہ کا درس مول لینے کے بجائے اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس کی رو پر چھوڑ دینا عام آدمیوں کے لیے نہایت سہل اور لذیذ کام ہیں۔ میدان میں ڈٹ کر لڑنے کے بجائے اگر فرار اختیار کرنا ہو اور موجوں اور بادِ مخالف سے نبرد آزمائی کی جگہ اگر کشتی کو موجوں ہی کے حوالہ کر دینا ہو تو آخر اس کے لیے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دینے کے سوا اور کس سلیقہ یا محنت کی ضرورت ہے؟ اعلیٰ کاموں کے مقابل میں ادنیٰ کاموں کی یہی فطرت ہے جو ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جو اپنے اندر ہمت اور اولوالعزمی نہیں رکھتے اور جو محنت و مشقت کے بجائے کاہلی اور سہل پسندی کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کے اسی فرق کو ایک حدیث نبوی میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے کہ حفت الجنة بالمكاره وحفت الجنة بالشهوات جس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کمال کی منزل مشکلات و مصائب سے گھری ہوئی ہے اور اہلِ خسران کی منزل خواہشاتِ نفس سے گھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص جنت حاصل کرنا چاہے تو اس کو بے شمار مشکلات و مصائب سے لڑنا اور ان پر غالب آنا پڑیگا، برعکس اس کے اگر کوئی شخص دوزخ میں گرنا چاہے تو اس کا معاملہ نہایت سہل ہے، وہ کسی مزاحمت کا مقابلہ کیے بغیر، اپنی خواہشات کے سبز باغوں میں پھرتا پھرتا وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ نیکی اور بدی کے مزاج کا یہی اختلاف ہے جس کے سبب سے انسان نیکی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ اس راہ میں اس کو گھاٹیاں پار کرنی پڑتی ہیں اور قدم قدم پر اپنے نفس کی خواہشوں سے لڑنا ہوتا ہے ۔ چنانچہ خود قرآن نے اس راہ کے سفر کو "اقتحام عقبہ" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں گھاٹی کو پار کرنا ۔ فرمایا ہے ۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (سورہ بلد)

اور ہم نے اس کے لیے بدی اور نیکی دونوں کی راہیں کھولیں تو اس نے گھاٹی کو پار نہیں کیا ۔ اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے ؟ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن کسی قرابت مند یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کے زمرہ میں سے بننا جو ایمان لائے اور جو ایک دوسرے کو صبر اور ہمدردی کی نصیحت کرتے رہے ۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خوش نصیب ہوں گے ۔

برعکس اس کے جو شخص بدی کے گڑھے میں گرنا چاہتا ہے وہ اپنی منزل بڑی تیزی سے طے کرتا ہے ۔ وہ بدی کا رخ کرتے ہی خود بخود لڑھکتا ہوا اپنے پسند کردہ قعر مذلت کی گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہے اس کا اشارہ "ثم رددناہ اسفل سافلین" میں "سافلین" کے لفظ سے نکل رہا ہے ۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہشاتِ نفس کے پیرو کو اس کی خواہشات کے حوالہ کر دیتا ہے اور وہ لڑھکتا ہوا اخلاقی پستی کی آخری حدوں تک پہنچ جاتا ہے ۔

اس موقع پر نفس انسانی کی اس خصوصیت کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے جس کی طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اشارہ فرمایا ہے ۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کرتے وقت جو قیمتی نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ اس بات کو یاد رکھنا کہ نفس کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر اس کی ایک ناجائز خواہش پوری کر دی جائے تو پھر وہ دوسری کے لیے ہاتھ پاؤں پھیلاتا ہے ۔ یعنی ایک کمزوری دوسری کمزوری کے لیے اور ایک برائی دوسری برائی کے لیے خود راہ کھول دیتی ہے اس وجہ سے بہتری اسی میں ہے کہ نفس کو اس جانب ڈھیل ہی نہ دی جائے ، ورنہ اگر ایک مرتبہ وہ اس راہ پر چل پڑا تو پھر اس کو

© rasailojaraid.com

اس سے موڑنا آسان نہیں رہے گا، ایک چراگاہ کے بعد دوسری چراگاہ اس کے سامنے آتی رہے گی اور وہ آگے ہی بڑھتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ وہاں پہنچ جائے گا جہاں پہنچ کر واپس آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

(۴) اعلیٰ کے مقابل میں ادنیٰ کو ترجیح دینے کی ایک بڑی وجہ دنیا میں ادنیٰ پرستوں کی کثرت بھی ہے۔ آدمی اسی راہ پر چلنے میں سلامتی دیکھتا ہے جو قافلوں سے بھری ہوئی ہو۔ جس کام کو اکثریت کر رہی ہو اس کے کرنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ دل میں تحریک اٹھتی ہے بلکہ یہ چیز اس کے ایک اعلیٰ اور عمدہ کام ہونے کی ایک نہایت قوی دلیل بھی بن جاتی ہے۔ تاریخ کے جس دور میں جس چیز کا بھی زور ہوا ہے اس نے وبائے عام کی طرح ہر شخص کو کچھ نہ کچھ ضرور متاثر کیا ہے اور اس تاثر میں اصل تو اس کی واقعی قدر و قیمت پر بہت کم لوگوں نے غور ہی کیا۔ اور اگر کچھ لوگوں نے غور بھی کیا تو بالآخر انہیں بھی وقت کی عام بدمذاقی کے آگے سپر ڈال دینی پڑی۔ بنی اسرائیل کے بگاڑ کی تاریخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جب ان کے اندر خرابیاں پھیلنی شروع ہوئیں تو ابتدا میں ان کے علماء نے ان کو ان سے روکنا چاہا، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وقت کے رجحانِ عام کے آگے ان کے لیے بند باندھنا مشکل ہے تو وہ خود بھی اسی رجحانِ عام کی رو میں بہنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جس کی سزا ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے بگڑے ہوئے لوگوں کے دلوں کی سیاہی ان کے دلوں پر بھی تھوپ دی۔ خود ہماری اپنی تاریخ پر بھی غور کیجیے تو کچھ یہی صورتِ حال یہاں بھی نظر آئے گی۔ صدرِ اول کو چھوڑ کر جس میں زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ اقدار کا حقیقی احترام باقی رہا، بعد کے ادوار کو دیکھیے تو جو چیز بھی ذہنوں اور دماغوں پر چھا گئی ہے اسی کا کلمہ سب پڑھنے لگے ہیں۔ جس دور میں شعروادب کا زور ہوا سب اسی رنگ میں مست نظر آنے لگے، جب یونانی علوم کی گرم بازاری ہوئی تو ان علوم کے آگے سارے علوم ہیچ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے اعزاز و احترام میں کتاب و سنت کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ اسی طرح جب تصوف کا چرچا پھیلا تو کتاب و سنت کی تعبیریں بھی اسی کی روشنی میں کی جانے لگیں، گویا یہ اصل ہے اور کتاب و سنت اس کی فرع ہیں۔ اب اس زمانہ میں دیکھیے تو مغربی علوم و فنون نے ہر شخص کو اس طرح مسحور کر لیا ہے کہ کسی کو ہوش ہی نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور علم بھی ہے جس کے سیکھنے سکھانے کی ضرورت ہے اور زندگی میں اس کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوئی قدر و قیمت ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی ہے وہی ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر تو یہ سارے علوم و فنون انسانیت کے حقیقی فائدہ کے نقطۂ نظر سے ضرر ناک زیادہ اور مفید بہت کم رہ جاتے ہیں۔ لیکن ہماری تاریخ میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس ہمہ گیر فتنہ کے اندر اپنے ذہنی توازن کو قائم رکھا اور جو نہ تو زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے اتنے عاجز اور بے بس ہوئے کہ وہ وقت کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں اور نہ اتنے جامد ثابت ہوئے کہ سیلاب ان کے اوپر سے گذر جائے اور وہ اپنی جگہ ہی پہ پتھر کی طرح پڑے رہ جائیں۔ در حقیقت یہی گنتی کے افراد ہیں جنہوں نے تمام طوفانوں اور تھپیڑوں کے اندر امت کے سفینہ کی ناخدائی کی ہے اور اس کو غرق ہونے سے بچایا جاتے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آج ہمارے لیے یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہوتا کہ ہماری تاریخ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پہ جا کر ختم ہوئی۔ ہم صحرا میں ایک کھوئے ہوئے قافلہ کی مانند ہوتے جسے کچھ پتہ نہیں کہ کدھر سے آئے ہیں اور کدھر جانا ہے۔

اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے اختیار کرنے کے ان چاروں اسباب پر نگاہ ڈالیے تو ان کی تہ میں یا تو شعور کی کمی نظر آئے گی یا ہمت کی۔ جو لوگ وقت اور زندگی کی ناقدری کے سبب سے یہ روش اختیار کر بیٹھے ہیں ان کے اندر شعور اور بیداری کا فقدان ہے اور جو لوگ مشکلات کا یا ہمہ گیر بگاڑ سے مرعوب ہو کر وبائے عام میں مرنے پہ آمادہ ہو جاتے ہیں ان کے اندر عزم اور یقین ناپید ہے۔ شعور کو بیدار رکھنے کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز صالح لٹریچر کا مطالعہ اور ذی شعور لوگوں کی صحبت ہے۔ آدمی کو برابر ایسی چیزیں پڑھتے رہنا چاہیے جن میں زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے، جو دل کو بیدار کرنے والی اور کانوں اور آنکھوں کو کھولنے والی ہیں، جو عقل کو جلا دیتی اور روح کو گرماتی ہیں، جن سے ایمان کی غذا ملتی ہے اور اس عالم فانی کی جگہ عالم باقی کی محبت پیدا ہوتی ہے، جن کے اندر معرفت کا نور اور علم حقیقی کی روشنی ہے۔ ایسی چیزوں میں سب سے اونچا درجہ کتاب اللہ اور احادیث رسول کا ہے۔ ان کے حرف حرف اور سطر سطر کے اندر خالص حقیقت اور بالکل بے آمیز علم ہے۔ ان کے بعد زبور، انجیل، امثال سلیمان اور صالحین و مصلحین امت کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں یا پھر ایسے حکیموں اور فلسفیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی چیزیں ہیں جنہوں نے فی الواقع زندگی کے مسائل پر غور کیا ہے اور اس کے حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ان چیزوں کے اندر کچھ ملاوٹیں اور آمیزشیں بھی ہیں اور جگہ جگہ ان میں فکرِ انسانی کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن جو لوگ ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں وہ نہایت آسانی سے ان کے حق و باطل میں خود امتیاز کر لیتے ہیں۔

ہمت اور عزیمت پیدا کرنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے اکثر تو ایسی ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے اور ہم ان کی تفصیل آگے چل کر تزکیۂ عمل کے باب میں کریں گے۔ یہاں جس بات کا بتانا مناسب اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایک حقیقت کو جیسی کچھ بھی وہ ہو پہلے آدمی کو وہ ٹھیک ٹھیک سمجھ لینی چاہیے ایک حقیقت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا ان تیاریوں میں بہت معین ہوا کرتا ہے جو آدمی کو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کرنی پڑتی ہیں۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ جتنی بھی اعلیٰ قدریں ہیں وہ فطرت کو محبوب ہونے کے باوجود جیسا کہ عرض کیا گیا مشقت طلب اور صبر آزما ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ان کے چاہنے والے تو ہمیشہ زیادہ رہے ہیں لیکن عملاً ان کے اختیار کرنے والے ہمیشہ تھوڑے ہی نکلے۔ ان کی خوبیوں اور برکتوں کے گن تو بزدلوں اور پست ہمتوں نے بھی گائے لیکن ان کے حاصل کرنے کے لیے جن قربانیوں کی ضرورت تھی ان کے پیش کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ کم ہی رہی۔ اس صورتِ حال کی وضاحت اس راہ کے داعیوں نے ہمیشہ خود ہی کر دی ہے تاکہ وہی لوگ اس میں قدم رکھیں جو اس کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اندر کچھ دم خم رکھتے ہیں، جو لوگ اس وادیٔ پُر خار کی صعوبتوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے بہتر ہے کہ وہ اس کا رخ ہی نہ کریں۔ ع

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "نیکی کی راہ تنگ ہے اور اس کے چلنے والے تھوڑے ہیں اور بدی کا راستہ فراخ ہے اور اس کے چلنے والے بہت ہیں۔"

اسی حقیقت کو قرآن نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا   کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۔ (عنکبوت ۔ ۲-۳)

دیئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کی جانچ نہیں ہوگی؟ حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو جانچا جو ان سے پہلے گزرے تو اللہ ضرور ممیز کرے گا ان لوگوں کو جنہوں نے سچ کہا اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ اس دنیا میں اگرچہ خبیث اور خباثت پسندوں کی اکثریت ہے اور یہ اکثریت کمزور دلوں اور پست ہمتوں کو خباثت پسندی پر اکساتی بھی ہے لیکن خدا کی میزان میں بہر حال وزن طیب ہی کا ہے اور فلاح پانے والے وہی ہونگے جو خبیث کی اس کثرت سے مرعوب نہ ہوں بلکہ طیب کو اختیار کریں اگرچہ یہ خود بھی کم ہو اور اس کے لیے بازیاں کھیلنے والے بھی کم ہی ہوں۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۔ (مائدہ ۔ ۱۰۰)

کہہ دو خدا کی میزان میں خبیث اور طیب برابر نہیں ہونگے اگرچہ خبیث کی کثرت تم کو کتنا ہی فریفتہ کیوں نہ کرے۔ تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل رکھنے والو۔

ان تنبیہات کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص حقیقت کو جیسی کچھ وہ ہے، اچھی طرح سمجھ لے۔ کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ ادنیٰ کے مقابل میں اعلیٰ کی طلب کوئی آسان بازی ہے جس کو ہر شخص کھیل سکتا ہے۔ اس میں تو شبہ نہیں ہے کہ چاہنے کی چیز اگر کوئی ہے تو یہی ہے، کرنے کا کام کوئی ہے تو یہی ہے۔ کامیابی اور فلاح کی راہ ہے تو یہی ہے، انسان کے شرف اور عزت کے مطابق، اور اس کے مرتبہ اور درجہ کے شایان شان کوئی چیز ہے تو یہی ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ اس راہ کے خطرات کا مقابلہ کرنا اور اس کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونا ہر بوالہوس اور ہر مدعی کا کام نہیں ہے۔ اس میں کامیابی انہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو ایک عاشق صادق کا جنون اور ایک مرد مجاہد کا عزم و حوصلہ رکھتے ہوں۔

اس صورت حال کو سمجھ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی جس کام کے لیے اٹھے اگر اس کے تقاضوں اور اس کے نتائج سے پوری طرح باخبر ہو اور اس کے لیے اپنے عزم و ارادہ کو اچھی طرح تول کے اٹھے تو مشکلات سے لڑنے اور ان پر قابو پانے کی صلاحیت اس کے اندر بہت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر اس طرح کے کسی معرکہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے وہ بالکل بے خبر نہ اٹھ کھڑا ہو تو پہلی ہی چوٹ میں وہ ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ اگر ایک شخص شیر کے شکار کے ارادہ سے نکلے اور اس کو شیر سے سابقہ پیش آجائے تو وہ خطرات میں اپنے حواس بجا رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص گیدڑ کے شکار کے لیے نکلے اور اس کو سابقہ پیش آجائے شیر سے تو وہ کس طرح اپنے اوسان قائم رکھ سکتا ہے۔

اس حقیقت نفس الامری سے کما حقہٗ واقفیت کے علاوہ دوسری چیز جو آدمی میں عزم و ہمت پیدا کرتی ہے۔ وہ مردانِ حق کی معیت و رفاقت ہے۔ یہ معیت و رفاقت ذہنی طور پر بھی حاصل کی جاتی ہے اور عملی طور پر بھی۔ ذہنی طور پر اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی سیرتوں کا برابر مطالعہ کیا جاتا رہے جنہوں نے راہ حق میں مصیبتیں جھیلی ہیں۔ جنہوں نے اعلیٰ اقدار کی طلب میں دنیا کی جھوٹی عزتوں اور شہرتوں کو نہایت حقارت سے ٹھکرایا ہے جو نیکی اور سچائی کی راہ پر چلنے کے لیے یکہ و تنہا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور اپنے عزم و حوصلہ سے انہوں نے دوسروں کے لیے اس راہ پر چلنا آسان کر دیا ہے، جنہوں نے جہل کی ظلمت میں علم کے دیئے جلائے ہیں اور ان کو بادِ حوادث سے محفوظ رکھا ہے، جنہوں نے باطل کے غوغائے عام میں حق کا نعرہ مستانہ بلند کیا اور پھر یا تو باطل کو مغلوب کر لیا ہے یا اس سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے اپنا نقشِ قدم ایک نشانِ ہمت کی حیثیت سے یادگار چھوڑا ہے۔ ایسے لوگوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ آدمی کے اندر ہمت پیدا بھی کرتا اور پیدا شدہ ہمت کو برقرار بھی رکھتا ہے۔

عملی طور پر اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے آدمی کو ایسے لوگوں کی جستجو کرنی پڑتی ہے جو اس راہ میں اس کی رہنمائی کر سکیں۔ اور اگر رہنمائی نہ کر سکیں تو کم از کم رفاقت ہی کا حق ادا کر سکیں۔ یہ دنیا جب تک قائم ہے اس میں جس طرح برے لوگ موجود رہیں گے اسی طرح اچھے لوگ بھی موجود رہیں گے۔ اگر بروں کو لیڈر بھی مل جاتے ہیں اور ساتھی بھی میسر آجاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک خیر کے طالب کو ساتھی اور رہنما نہ مل سکیں شرط صرف یہ ہے کہ آدمی خلوص کے ساتھ تلاش کرے اور جب پا جائے تو ان کی معیت و رفاقت کے حاصل کرنے کے لیے ہر قیمت دینے پر تیار ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے لیے آدمی کو گھر بار اور ملک و وطن بھی چھوڑنا پڑ جائے تو یہ بازی بھی وہ جی کڑا کر کے کھیل ہی ڈالے۔ یہ خدا کی راہ میں اس کی ہجرت ہوگی اور اس ہجرت کی راہ آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے ہمیشہ کھلی ہوئی ہے۔ ہجرت کا اصلی مقصد ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ایک اعلیٰ نصب العین کی خاطر ایک ناساز گار ماحول کو چھوڑ کر ایک ساز گار ماحول تلاش کیا جائے۔ یہ ماحول زندگی کے بناؤ اور بگاڑ میں بڑا موثر عامل ہے جس کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ماحول ناساز گار ہو، تو بسا اوقات بڑی اعلیٰ صلاحیتیں بھی برباد ہو کے رہ جاتی ہیں۔ اور اگر ماحول ساز گار مل جائے تو معمولی صلاحیتیں بھی جلا پا کر ذرہ سے آفتاب بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام تک کا حال یہ رہا ہے کہ انہوں اچھے ماحول اور اچھے ساتھیوں کے لیے دعائیں کی ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے لیے بڑی بڑی بازیاں کھیلی ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اپنی عزیمت و استقامت کے اعتبار سے بجائے خود ایک عالم رہے ہیں، انہوں نے دوسروں کو اپنی حرارت سے گرمی پہنچائی ہے کبھی دوسروں سے حرارت حاصل کرنے کے محتاج نہیں ہوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی ذات سے اپنے ماحول کو روشن کیا ہے کبھی ماحول سے روشنی حاصل کرنے کی ان کو ضرورت نہیں پیش آئی ہے۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ آدمی کی صلاحیت اگر قوی ہو تو بسا اوقات وہ تاریکی سے بھی روشنی حاصل کر لیتا ہے اور راہ کی ٹھوکروں سے بھی اس کو رہنمائی مل جاتی ہے۔ علامہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ابوالہیثم نامی ایک چور کے لیے اکثر دعائے خیر فرماتے رہتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایک چور کے لیے دعائے خیر کیوں فرماتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میرے ابتلا کے زمانہ میں اس نے اپنے عملی نمونہ سے مجھے نہایت قیمتی درس دیا تھا، جب مجھے بیڑیوں میں جکڑ کر اور اونٹ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو یہ شخص ایک جگہ راہ میں مجھے ملا اور اس نے مجھ سے کہا کہ ابن حنبل، چوری کے جرم میں مجھے اتنی بار قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں اور اتنے سو دُرّے میری پیٹھ پر پڑے ہیں تاہم میں اپنی حرکت سے باز نہیں آیا، اگر میں شیطان کی راہ میں یہ مصائب جھیل کر اس طرح استوار رہ سکتا ہوں تو حیف ہے اگر تم خدا کی راہ میں ان مصائب کو پامردی سے نہ برداشت کر سکو۔ حضرت امام فرماتے ہیں کہ اس کی اس جرأت و صلابت سے مجھے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اسی طرح جو لوگ اپنے اندر اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں ان سے یہ توقع بعید نہیں ہے کہ وہ ان جانبازیوں سے راہ حق کے لیے درس حاصل کریں جو آج باطل کے علم بردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باطل کو سربلند کرنے کے لیے دکھا رہے ہیں لیکن ایسے غیر معمولی عزم و حوصلہ کے لوگ زیادہ نہیں ہو سکتے۔ زیادہ لوگ تو ایسے ہی ہو سکتے ہیں جن کو اچھے ساتھی ملیں تو وہ اچھے بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر بُرے ساتھی مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اُن کی بُرائیاں ان پر بھی غالب آجائیں۔ اس وجہ سے انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اپنی خوبیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہوں وہ سازگار ماحول اور اچھے ساتھیوں کی تلاش سے غافل نہ رہیں۔

آخری چیز جو اس مقصد کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے وہ بندے کا اللہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اگر دل کا سفینہ اس لنگر کے ساتھ بندھا ہوا ہو تو خواہ کیسی ہی بادِ مخالف چلے اور کیسی ہی خطرناک موجیں اٹھیں لیکن کشتی ہچکولے کھا کر بھی سلامت رہتی ہے اور طوفانوں کے اندر سے گزرتی ہوئی ساحلِ مراد پر پہنچ ہی جاتی ہے۔ رہنما غلطی کر سکتے ہیں اور رفقاء ساتھ چھوڑ سکتے ہیں لیکن خدا کبھی ان لوگوں کو نہیں چھوڑتا جو ہر حال اور بہر صورت خدا کو پکڑے رہنا چاہتے ہیں۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ جو لوگ میری راہ پر چلنا چاہتے ہیں اور اس راہ کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں میں ان کے لیے مشکلات کے اندر سے راہ پیدا کرتا ہوں۔ مَنْ جَاهَدَ فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو لوگ اس راہ کی مشکلات کے مقابل میں ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں تو یہ چیز ان کو اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب وہ میرے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط و استوار رکھیں اور میری یاد سے کبھی غافل نہ ہوں۔ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ اور تم ثابت قدمی نہیں حاصل کر سکتے مگر اللہ کے تعلق سے۔

© rasailojaraid.com